© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

"اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" یہ نعرہ سب سے پہلے مشنری مصنفین یورپ نے بلند کیا تھا اور مقصد یہ تھا کہ یورپ میں مذہب کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد عیسائیت کو اسلام کی طرف سے جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا مسیحیت کو اس سے محفوظ رکھا جائے مشنری مصنفین نے اس کا چرچا اس زور شور سے کیا کہ

انگلستان کی ہر مسِ سیمیں بدن کہنے لگی

"بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے"

لیکن آخر جب یورپ میں علم و سائنس کی روشنی پھیلی اور مذہبی تعصب و تنگ نظری کے بجائے تاریخی حقائق و واقعات کا سنجیدہ شعور و فکر پیدا ہوا تو خود یورپ میں کارلائل ایسے انصاف پسند مصنفین وادبا پیدا ہوئے جنہوں نے اس بے بنیاد الزام کی تردید کی اور اسلام کے محاسن و فضائل کا برملا اعتراف کیا اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ڈاکٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ آرنلڈ نے تو سالہا تے دراز کی محنت و تحقیق کے بعد "دعوت اسلام" (دی پریچنگ آف اسلام) کے نام سے ایک ایسی ضخیم اور محققانہ کتاب لکھی کہ جہاں تک اس خاص الزام کا تعلق ہے اس کتاب نے ہمیشہ کے لئے مخالفین کا منہ بند کر دیا۔ پھر آج یورپ اور امریکہ میں جگہ جگہ اسلامی علوم و فنون، اسلامی دینیات اور اسلامی فلسفۂ حیات اور اسلامی کلچر پر جو لاکھوں روپیہ کے خرچ سے تحقیقات ہو رہی ہیں اور اس مقصد کے لئے بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں جو ادارے قایم ہیں یہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام کی ثقافتی اور تہذیبی عظمت کو تسلیم کر لیا ہے ورنہ جو مذہب تلوار کے بل بوتہ پر فروغ پائے وہ ہرگز اس لائق نہیں ہو سکتا کہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے موجودہ دورِ ترقی میں اس کے ساتھ اعتنا کیا جائے۔

لیکن افسوس ہے کہ اب خود ہندوستان میں بعض کوتاہ نظروں نے پھر اسلام کے خلاف اسی قسم کے اوچھے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دئے ہیں اور وہی اسلام اور تلوار کا افسانہ دیرینہ شد و مد کے ساتھ دہرایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے لگا ہے۔ حالانکہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے یہ حقیقت یہاں کے ہر بام و در سے نمایاں ہے کہ جن مسلمان قوموں نے اس ملک کو فتح کیا۔ اور یہاں اپنی حکومت وسلطنت کا تخت بچھایا انھوں نے خود اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا۔ اور آخر وہ اور ان کی اولادیں اسی ملک کی خاک کا پیوند ہو کر رہ گئے۔ ان کو اس ملک کے ساتھ وہی محبت تھی جو انھیں اپنے آباء واجداد کے جنم بھومیوں کے ساتھ ہو سکتی تھی۔ انھوں نے اس ملک کی دولت سے اپنے وطنوں کو جہاں سے وہ آئے تھے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ اس دولت سے اسی ملک کی خدمت کی۔ ملک کے پُرانے باشندوں کو اپنا ہم وطن سمجھا اور ان کے ساتھ ان کے علوم وفنون اور کلچر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو از روئے شرافت وانسانیت اپنے برادرانِ وطن کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔

ان بادشاہوں اور فرمانروایانِ ہند کی طبیعتیں اور مزاج۔ ان کے عادات واطوار مختلف قسم کے تھے جو ان میں انصاف پسند اور رحم دل تھا وہ ہندو ہوں یا مسلمان سب کے لئے تھا اور جو متشدد اور سخت گیر تھا وہ بلا امتیازِ فرقہ ونسل ہر ایک کے لئے ہی تھا علاوہ بریں زمانۂ جنگ کے اخلاقیات عہدِ امن کے اخلاقیات سے مختلف ہوتے ہیں۔ کسی ایک گروہ نے جنگ کے زمانہ میں اپنے فریقِ محارب کے ساتھ جو کچھ کیا ہو اس کو دلیل بنا کر ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس گروہ کے معتقداتِ مذہبی یہی ہیں اور اس کا مذہب اسی قسم کے برتاؤ کا حکم کرتا ہے ایک انسان جب غصہ میں ہوتا ہے تو بسا اوقات وہ خود اپنی زندگی اپنے ہاتوں ختم کر دیتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا یہ فعل زندگی کے فطری قوانین کے خلاف ہوتا ہے اس کو کوئی شخص اصولِ حیات نہیں کہہ سکتا پھر کسی ایک قوم کے اخلاقی ضابطۂ حیات کا جائزہ لینے کے لئے اس قوم کے چند ایک افراد واشخاص کے اعمال وافعال کو بطور معیار پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وسعتِ نظر اور دقتِ نگاہ کے ساتھ اس قوم کی پوری تاریخ کو فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں جانچا اور پرکھا جائے۔

جہاں تک ہندوستان میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کا تعلق ہے یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ حکومت اگرچہ اپنے ابتدائی دور میں ایک غیر ملکی حکومت کی حیثیت رکھتی ہو لیکن جلد ہی اس نے ملکی حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شکل اختیار کرلی اور اسی وجہ سے وہ صدیوں تک قائم رہ سکی ورنہ یہ بات اس ملک کے باشندوں کے لئے بڑے ننگ و عار کا باعث ہوگی کہ وہ آٹھ سو سال تک اس حکومت کو ختم نہیں کر سکے اور اتنی طویل مدت انھوں نے اس کی غلامی کے زیر سایہ گذار دی۔ مسلمانوں اور ہندؤں کا ایک دوسرے کے سماجی و معاشرتی رسوم و عادات کا اختیار کرلینا۔ ایک دوسرے کے علوم و فنون سے باخبر ہونا اور ان میں مہارت بہم پہنچانا ایک مشترک زبان بولنا۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا۔ یہ سب اس امر کی دلیل ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کے باہم اختلاط و امتزاج سے ایک نئی قوم پیدا ہوگئی تھی جو مذہبی اختلاف کے باوجود قومی حیثیت سے صرف ہندوستانی تھی اور اس بنا پر یہاں جو حکومت تھی اس کو غیر ملکی اور اجنبی حکومت نہیں کہا جا سکتا۔"

اگر یہ حکومت غیر ملکی ہوتی تو ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد بار ہندؤں کو ایسے مواقع ملے کہ اگر وہ چاہتے تو اس حکومت کو وقت سے بہت پہلے بڑی آسانی سے ختم کر سکتے تھے، اورنگ زیب عالمگیر برسوں تک دکن میں اپنی فوجیں لئے پڑا رہا اور مصروف جنگ رہا لیکن یہاں اس کے دارالسلطنت میں نہ ہندؤں نے بغاوت کی اور نہ کوئی شورش پیدا ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں نے ایک ساتھ جنگ لڑی یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں ملکی وطنیت کے لحاظ سے ایک تھے

آگرہ اور دلی مسلمان بادشاہوں کا دارالحکومت تھی۔ ان کی فوجی طاقت اور حکومت کا رعب و داب جو یہاں ہو سکتا تھا ملک کے دوسرے حصوں میں ہرگز نہیں ہو سکتا تھا" پس اگر اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو کوئی بتائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بنگال۔ پنجاب۔ سندھ اور سرحد میں عددی اعتبار سے مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں ان کی آبادی ۱۴ فی صدی سے متجاوز نہ ہو سکی اور پھر اقتصادی اعتبار سے بھی بحیثیت مجموعی جتنے خوش حال یہاں کے ہندو رہے مسلمان نہیں ہو سکے اگر حکومت کا سہارا صرف تلوار تھی تو بتانا چاہئے کہ یہ کس قسم کی تلوار تھی جو ہندؤں کو آٹھ سو سال تک غلامی کے شکنجے میں تو کسے رہی لیکن مسلمانوں کو اقلیت سے اکثریت میں تبدیل نہیں کر سکی۔

© rasailojaraid.com